افسانہ

افسانہ اردو کی اہم اور مقبول صنف ہے جس میں زندگی کے کسی خاص واقعے، تاثر، تجربے یا پہلو کی عکاسی کی جاتی ہے یا کسی مخصوص نفسیاتی یا جذباتی صورتِ حال کو بیان کیا جاتا ہے۔ افسانے میں واقعات کا بیان، کرداروں کے مکالمے اور منظر و ماحول کی پیش کش نپی تلی اور تاثر سے بھرپور ہونی چاہیے۔ یہاں تاثر سے مراد وحدتِ تاثر ہے۔ افسانے کے آغاز اور انجام دونوں کی کامیابی کا تعلق تخلیقی مہارت سے ہے۔

افسانہ اختصار کے ساتھ زندگی کے کسی گوشے کو قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ افسانہ نگار کا ذاتی مشاہدہ اور انسانی نفسیات کا گہرا مطالعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کردار اور واقعات ایسے ہوتے ہیں جو ہماری زندگی اور ہمارے تجربوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ افسانے کے فن میں پلاٹ، کردار، مکالمے، تکنیک اور زبان و اسلوب کی خاص اہمیت ہے۔

ہندوستان میں کتھا کہانی کا رواج صدیوں پرانا ہے۔ اسی طرح داستان اور قصص کی روایت بھی ملتی ہے۔ اردو میں افسانے کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی کے شروع میں ہوا۔ اردو کے اہم افسانہ نگاروں میں پریم چند، علی عباس حسینی، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، خواجہ احمد عباس، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، قرۃ العین حیدر، جیلانی بانو، انتظار حسین وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ نئے افسانہ نگاروں کی بھی ایک بڑی تعداد ہمارے سامنے آچکی ہے۔ اردو کے بہت سے افسانوں کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کیا جاچکا ہے۔

© NCERT not to be republished

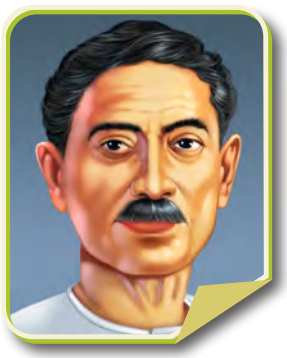

منشی پریم چند

1880 – 1936

منشی پریم چند کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ ان کی پیدائش بنارس کے ایک گاؤں لمہی میں ہوئی۔ انٹرمیڈیٹ پاس کرنے کے بعد انھوں نے محکمۂ تعلیم میں ملازمت کی۔ انگریزی دورِ حکومت میں سرکاری ملازمت کی وجہ سے حق بات کے اظہار میں رکاوٹ محسوس ہوئی تو ملازمت ترک کر کے تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے۔

اردو افسانے کا باقاعدہ آغاز پریم چند سے ہوا۔ اردو افسانے کے ابتدائی دور میں جو رجحانات سامنے آئے ان میں سماجی حقیقت نگاری کو خاص اہمیت حاصل ہے، جس کے نمائندہ افسانہ نگار پریم چند تھے۔ انھوں نے دیہی معاشرت اور پسماندہ طبقات کی زندگی کے مسائل کو موضوع بنایا۔ 'سوزِ وطن' (1907) پریم چند کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ہے۔ انھوں نے شروع میں کچھ افسانے نواب رائے کے نام سے بھی لکھے پھر پریم چند قلمی نام اختیار کیا اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔

پریم چند نے تقریباً ساڑھے تین سو افسانے اور ایک درجن ناول لکھے ہیں۔ ان کے افسانوں کے مجموعوں میں واردات، پریم پچیسی، پریم بتیسی، آخری تحفہ، نجات، زادِ راہ اور ناولوں میں چوگانِ ہستی، نرملا، بیوہ، گئودان، میدانِ عمل، غبن اور بازارِ حسن وغیرہ ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

پریم چند کے ناول اور افسانے سماجی حقیقت نگاری کا عمدہ نمونہ ہیں۔ ان کے افسانوں کا پس منظر مشرقی اتر پردیش کا دیہات ہے۔ پریم چند کی تصانیف میں ہندوستانی کسان اپنی اصل شخصیت کے ساتھ نظر آتا ہے۔ ان کی نثر سادہ اور آسان ہے جسے انھوں نے اپنے اندازِ بیان سے پُرلطف بنا دیا ہے۔

© NCERT not to be republished

4901CH01

پنچایت

جمّن شیخ اور الگو چودھری میں بڑا یارانہ تھا۔ ساجھے میں کھیتی ہوتی۔ لین دین میں بھی کچھ ساجھا تھا۔ ایک دوسرے پر کامل اعتماد۔ جمّن جب حج کرنے کو گئے تھے تو اپنا گھر الگو کو سونپ گئے تھے اور الگو جب کبھی باہر جاتے تو جمّن پر اپنا گھر چھوڑ دیتے۔ وہ نہ ہم نوالہ تھے، نہ ہم پیالہ، نہ ہم مشرب، صرف ہم خیال تھے اور یہی دوستی کی اصل بنیاد ہے۔

اس دوستی کا آغاز اُس زمانے میں ہوا جب دونوں لڑکے جمّن کے پدرِ بزرگوار شیخ جمعراتی کے روبرو زانوئے ادب تہہ کرتے تھے۔

شیخ جمّن کی ایک بوڑھی بیوہ خالہ تھیں۔ ان کے پاس کچھ تھوڑی سی ملکیت تھی مگر قریبی وارث کوئی نہ تھا۔ جمّن نے وعدے وعید کے سبز باغ دکھا کر خالہ اماں سے وہ ملکیت اپنے نام کرالی تھی۔ جب تک ہبہ نامہ پر رجسٹری نہ ہوئی تھی خالہ جان کی خوب خاطر داریاں ہوتی تھیں۔ خوب میٹھے میٹھے اور چٹ پٹے سالن

© NCERT not to be republished

کھلائے جاتے تھے مگر رجسٹری کی مہر پڑتے ہی ان خاطر داریوں پر مہر ہوگئی۔ جمّن کی اہلیہ بی فہیمن نے روٹیوں کے ساتھ کچھ تیز تیکھی باتوں کے سالن دینے بھی شروع کیے اور رفتہ رفتہ سالن کی مقدار روٹیوں سے بڑھنے لگی۔ بڑھیا عاقبت کے بوریے بٹورے گی کیا؟ دو تین بیگھے اوسر کیا دے دیا ہے گویا مول لے لیا ہے۔ بگھاری دال بغیر روٹیاں نہیں اترتیں، جتنا روپیہ اس کے پیٹ میں جھونک چکے، اس سے تو اب تک کئی گاؤں مول لے لیتے۔ کچھ دنوں تک خالہ جان نے سنا اور ضبط کیا مگر جب برداشت نہ ہوا تو جمّن سے شکایت کی۔ جمّن صلح پسند آدمی تھے۔ 'مقامی' کارکن کے انتظام میں مداخلت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کچھ دن اور یوں ہی رو دھو کر کام چلا۔ آخر ایک روز خالہ جان نے جمّن سے کہا: ''بیٹا! تمھارے ساتھ میرا نباہ نہ ہوگا، تم مجھے روپے دے دیا کرو، میں اپنا الگ پکالوں گی۔''

جمّن نے بے اعتنائی سے جواب دیا: ''روپیہ کیا یہاں پھلتا ہے۔''

خالہ جان نے بگڑ کر کہا: ''تو مجھے کچھ نان نمک چاہیے یا نہیں؟''

جمّن نے مظلومانہ انداز سے جواب دیا: ''چاہیے کیوں نہیں میرا خون چوس لو! کوئی یہ تھوڑے ہی سمجھتا تھا کہ تم خواجہ خضر کی حیات لے کر آئی ہو۔''

خالہ جان اپنے مرنے کی بات نہیں سن سکتی تھیں۔ جامے سے باہر ہو کر پنچایت کی دھمکی دی۔ جمّن ہنسے، وہ فاتحانہ ہنسی جو شکاری کے لبوں پر ہرن کو جال کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر نظر آتی ہے۔ کہا: ''ہاں ضرور پنچایت کرو، فیصلہ ہو جائے، مجھے بھی رات دن کا وبال پسند نہیں۔''

پنچایت کی صدا کس کے حق میں اٹھے گی، اس کے متعلق شیخ جمّن کو اندیشہ نہیں تھا۔ قرب وجوار میں ایسا کون تھا جو ان کا شرمندۂ منّت نہ ہو؟ کون تھا جو ان کی دشمنی کو حقیر سمجھے؟ کس میں اتنی جرأت تھی جو ان کے سامنے کھڑا ہو سکے۔ آسمان کے فرشتے تو پنچایت کرنے آئیں گے نہیں! مریض نے آپ ہی دوا طلب کی۔

اس کے بعد کئی دن تک بوڑھی خالہ لکڑی لیے آس پاس کے گاؤں کے چکر لگاتی رہیں۔ کمر جھک کر کمان ہوگئی تھی۔ ایک قدم چلنا مشکل تھا مگر بات آپڑی تھی اس کا تصفیہ ضروری تھا۔ شیخ جمّن کو اپنی طاقت، رسوخ اور منطق پر کامل اعتماد تھا، وہ کسی کے سامنے فریاد کرنے نہیں گئے۔

بوڑھی خالہ نے اپنی دانست میں تو گریہ وزاری کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھی مگر خوبیٔ تقدیر کوئی اس طرف مائل نہ ہوا، کسی نے تو یوں ہی ہاں ہوں کر کے ٹال دیا، کسی نے زخم پر نمک چھڑک دیا: ''ذرا اس

ہوس کو دیکھو! قبر میں پیر لٹکائے ہوئے ہیں، آج مریں کل دوسرا دن ہوا مگر صبر نہیں ہوتا۔ پوچھو اب تمھیں گھر بار، جگہ زمین سے کیا سروکار۔ ایک لقمہ کھاؤ ٹھنڈا پانی پیو اور مالک کی یاد کرو۔'' سب سے بڑی تعداد ستم ظریفوں کی تھی۔ خمیدہ کمر پوپلا منہ، سن کے سے بال اور ثقلِ سماعت۔ جب اتنے تفریح کے سامان موجود ہوں تو ہنسی کا آنا ایک قدرتی امر ہے۔ غرض ایسے درد رس، انصاف پرور آدمیوں کی تعداد بہت کم تھی، جنھوں نے خالہ جان کی فریاد کو غور سے سنا ہو اور اس کی تشفی کی ہو۔ چاروں طرف سے گھوم گھام کر بڑھیا الگو چودھری کے پاس آئی، لاٹھی پٹک دی اور دم لے کر کہا: ''بیٹا تم بھی چھن بھر کو میری پنچایت میں چلے آنا۔'' الگو بے رخی سے بولا: ''مجھے بلا کر کیا کروگی، کئی گاؤں کے آدمی تو آئیں گے ہی۔''

خالہ نے ہانپ کر کہا: ''اپنی فریاد تو سب کے کانوں میں ڈال آئی ہوں۔ آنے نہ آنے کا حال اللہ جانے؟ ہمارے سیّد سالار گائے گُہار سن کر پیڑھی سے اٹھ آئے تھے، کیا میرا رونا کوئی نہ سنے گا؟''

© NCERT not to be republished

الگو نے جواب دیا: ''یوں آنے کو میں آجاؤں گا مگر پنچایت میں منھ نہ کھولوں گا۔''

خالہ نے حیرت سے پوچھا: ''کیوں بیٹا؟''

الگو نے پیچھا چھڑانے کے لیے کہا: ''اب اس کا کیا جواب؟ اپنی اپنی طبیعت، جُمّن میرے پرانے دوست ہیں، اس سے بگاڑ نہیں سکتا۔''

خالہ نے تاک کر نشانہ مارا: ''بیٹا کیا بگاڑ کے ڈر سے ایمان کی بات نہ کہو گے؟''

ہمارے سوئے ہوئے ایمان کی ساری جتھا چوری سے لٹ جائے، اسے خبر نہیں ہوتی مگر کھلی ہوئی للکار سن کر وہ چونک پڑتا ہے اور ہوشیار ہو جاتا ہے۔ الگو چودھری اس سوال کا جواب نہ دے سکے۔ کیا وہ ''نہیں'' کہنے کی جرأت کر سکتے تھے؟

شام کو ایک پیڑ کے نیچے پنچایت بیٹھی۔ ٹاٹ بچھا ہوا تھا۔ شیخ جمّن کی مہمان نوازی تھی۔ وہ الگو چودھری کے پاس ذرا دور بیٹھے ہوئے تھے، جب کوئی آتا تھا ایک دبی ہوئی سلام علیک سے اس کا خیر مقدم کرتے تھے، مگر تعجب تھا کہ بااثر آدمیوں میں صرف وہی لوگ نظر آتے تھے، جنھیں ان کی رضا جوئی کی کوئی پروا نہیں ہو سکتی تھی۔ کتنے مجلس کو دعوتِ احباب سمجھ کر جھنڈ کے جھنڈ جمع ہو گئے تھے۔

جب پنچایت پوری بیٹھ گئی تو بوڑھی بی نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا:

''پنچو! آج تین سال ہوئے میں نے اپنی سب جائیداد اپنے بھانجے جمّن کے نام لکھوا دی تھی، اِسے آپ لوگ جانتے ہی ہوں گے۔ جُمّن نے مجھے تاحین حیات روٹی کپڑا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ سال چھ مہینے تو میں نے اس کے ساتھ کسی طرح رو دھو کر کاٹے مگر اب مجھ سے رات دن کا رونا نہیں سہا جاتا، مجھے پیٹ کی روٹیاں تک نہیں ملتیں، بے کس بیوہ ہوں، تھانہ کچہری کر نہیں سکتی۔ سوائے تم لوگوں کے اور کس سے اپنا دکھ درد روؤں۔ تم لوگ جو راہ نکال دو اس راہ پر چلوں، اگر میری بُرائی دیکھو میرے منھ پر تھپڑ مارو، جمّن کی برائی دیکھو تو اُسے سمجھاؤ، کیوں ایک بے کس کی آہ لیتا ہے۔''

رام دھن مصر بولے: ''(ان کے کئی اسامیوں کو جمّن نے توڑ لیا تھا) جمّن میاں پنچ کسے بناتے ہو، ابھی سے طے کر لو۔''

جمّن نے حاضرین پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ اپنے تئیں مخالفوں کے نرغے میں پایا۔ دلیرانہ انداز سے کہا: ''خالہ جان! جسے چاہیں پنچ بنالیں، مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔''

خالہ نے چلّا کر کہا: ''ارے اللہ کے بندے تو پنچوں کے نام کیوں نہیں بتا دیتا؟''

جمّن نے بڑھیا کو غضب ناک نگاہوں سے دیکھ کر کہا: ''اب اس وقت میری زبان نہ کھلواؤ، جسے چاہو پنچ بنا دو۔''

خالہ نے جمّن کے اعتراض کو تاڑ لیا، بولیں: ''بیٹا۔ خدا سے ڈر۔ میرے لیے کوئی اپنا ایمان نہ بیچے۔ اتنے بھلے آدمیوں میں کیا سب تیرے دشمن ہی ہیں؟ اور سب کو جانے دو، الگو چودھری کو تو مانے گا؟''

جمّن فرطِ مسّرت سے باغ باغ ہو گئے مگر ضبط کر کے بولے: ''الگو چودھری ہی سہی، میرے لیے جیسے رام دھن مصر، ویسے الگو، کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔'' الگو بغلیں جھانکنے لگے، اس جھمیلے میں نہیں پھنسنا چاہتے تھے، معترضانہ انداز سے کہا: ''بوڑھی اماں! تم جانتی ہو کہ میری اور جمّن کی گاڑھی دوستی ہے۔'' خالہ نے جواب دیا: ''بیٹا دوستی کے لیے کوئی اپنا ایمان نہیں کھوتا، پنچ کا حکم اللہ کا حکم ہے، پنچ کے منھ سے جو بات نکلتی ہے وہ اللہ کی طرف سے نکلتی ہے۔''

© NCERT not to be republished

الگو کو کوئی چارہ نہ رہا، سر پنچ بنے۔ رام دھن مصر دل میں بڑھیا کو کوسنے لگے۔ الگو چودھری نے فرمایا:
''شیخ جمّن، ہم اور تم پرانے دوست ہیں، جب ضرورت پڑی ہے تم نے ہماری مدد کی ہے اور ہم سے بھی جو کچھ بن پڑا ہے، تمھاری خدمت کرتے آئے ہیں مگر اس وقت نہ تم ہمارے دوست ہو، نہ ہم تمھارے دوست۔ یہ انصاف اور ایمان کا معاملہ ہے۔'' خالہ جان نے پنچوں سے اپنا حال کہہ سنایا۔ ''تم کو بھی جو کچھ کہنا ہو کہو۔''

جمّن ایک شانِ فضیلت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے: ''پنچو!، میں خالہ جان کو اپنی ماں کے بجائے سمجھتا ہوں اور ان کی خدمت میں کوئی کسر نہیں رکھتا۔ ہاں! عورتوں میں ذرا اَن بَن رہتی ہے۔ اس میں، میں مجبور ہوں مگر ماہوار روپیہ دینا میرے قابو سے باہر ہے۔ کھیتوں کی جو حالت ہے وہ کسی سے چھپی نہیں۔ آگے پنچوں کا حکم سر اور ماتھے پر ہے۔''

الگو چودھری کو آئے دن عدالت سے سابقہ رہتا تھا، قانونی آدمی تھے۔ جمّن سے جرح کرنے لگے۔ ایک ایک سوال جمّن کے دل پر ہتھوڑے کی ضرب کی طرح لگتا تھا۔ رام دھن مصر اور ان کے رفیق سر ہلا ہلا کر ان سوالوں کی داد دیتے تھے۔ جُمّن حیرت میں تھے کہ الگو کو کیا ہو گیا ہے۔ ابھی تو یہ میرے ساتھ بیٹھا کیسے مزے مزے کی باتیں کر رہا تھا، اتنی ہی دیر میں ایسی کایا پلٹ ہو گئی کہ میری جڑ کھودنے پر آمادہ ہے۔ اچھی دوستی نباہی! اس سے اچھے تو رام دھن ہی تھے۔ وہ یہ تو جانتے کہ کون کون سے کھیت کتنے پر اُٹھتے ہیں اور کیا نکاسی ہوتی ہے۔ ظالم نے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔

جرح ختم ہونے کے بعد الگو نے فیصلہ سنایا۔ لہجہ نہایت متین اور تحکمانہ تھا:
''شیخ جمّن! پنچوں نے اس معاملہ پر اچھی طرح غور کیا۔ زیادتی سراسر تمھاری ہے۔ کھیتوں سے معقول نفع ہوتا ہے، تمھیں چاہیے کہ خالہ جان کے ماہوار گزارے کا بندوبست کر دو، اس کے سوائے اور کوئی صورت نہیں، اگر تمھیں یہ منظور نہیں تو ہبہ نامہ منسوخ ہو جائے گا۔''

جمّن نے فیصلہ سنا اور سنّاٹے میں آ گئے۔ احباب سے کہنے لگے: ''بھئی اس زمانہ میں یہی دوستی ہے کہ جو اپنے اوپر بھروسہ کرے، اس کی گردن پر چھُری پھیری جائے، اسی کو نیرنگیِ روزگار کہتے ہیں، اگر لوگ ایسے دغاباز گندم نما جو فروش نہ ہوتے تو ملک پر یہ آفتیں کیوں آتیں، یہ ہیضہ اور پلیگ انھی مکّاریوں کی سزا ہے۔''

مگر رام دھن مصر اور جگّو سنگھ اس بے لاگ فیصلے کی تعریف میں رطب اللّسان تھے، اس کا نام پنچایت ہے، دودھ کا دودھ پانی کا پانی، دوستی دوستی کی جگہ ہے۔ مقدّم ایمان کا سلامت رکھنا ہے۔ ایسے ہی ستیہ بادیوں سے دنیا قائم ہے ورنہ کب کی جہنم میں مِل جاتی۔

اس فیصلہ نے الگو اور جمّن کی دوستی کی جڑیں ہلا دیں۔ تناور درخت حق کا ایک جھونکا بھی نہ سہہ سکا۔ وہ اب بھی ملتے تھے مگر تیر و سپر کی طرح۔ جمّن کے دل سے دوست کی غدّاری کا خیال دور نہ ہوتا تھا اور انتقام کی خواہش چین نہ لینے دیتی تھی۔

خوش قسمتی سے موقع بھی جلدی مل گیا۔ پچھلے سال الگو بٹیسر کے میلے سے بیلوں کی ایک اچھی گوئیں مول لائے تھے۔ پچھائیں نسل کے خوب صورت بیل تھے۔ مہینوں تک قرب و جوار کے لوگ انھیں دیکھنے آتے رہے۔

اس پنچایت کے ایک مہینہ بعد ایک بیل مر گیا۔ جمّن نے اپنے دوستوں سے کہا: ''یہ دغابازی کی سزا ہے۔ انسان صبر کر جائے، مگر خدا نیک و بد دیکھتا ہے۔'' الگو کو اندیشہ ہوا کہ جمّن نے اسے زہر دلوا دیا ہے۔ اس کے برعکس چودھرائن کو خیال تھا کہ اس پر کچھ کرا دیا گیا ہے۔ چودھرائن اور فہیمن میں ایک دن زور شور سے ٹھنی۔ دونوں خاتونوں نے روانیِ بیان کی ندی بہا دی۔ تشبیہات اور استعاروں میں باتیں ہوئیں۔ بارے جمّن نے آگ بجھائی۔ بیوی کو ڈانٹا اور رزم گاہ سے ہٹا لے گئے۔ اِدھر الگو چودھری نے اپنے ڈنڈے سے چودھرائن کی شیریں کلامیوں کی داد دی۔

اب ایک بیل کس کام کا۔ اس کا جوڑا بہت ڈھونڈا مگر نہ ملا۔ ناچار اسے بیچ ڈالنے کی صلاح ہوئی۔ گاؤں میں ایک سمجھو سیٹھ تھے۔ وہ یکہ گاڑی ہانکتے تھے۔ گاؤں میں گُڑ گھی بھرتے اور منڈی لے جاتے۔ منڈی سے تیل نمک لاد کر لاتے۔ گاؤں میں بیچتے۔ اس بیل پر ان کی طبیعت لہرائی۔ سوچا اسے لے لوں تو دن میں بلا کسی منت کے تین کھیوے ہوں۔ نہیں تو ایک ہی کے لالے رہتے ہیں۔ بیل دیکھا۔ گاڑی میں دوڑایا۔ بال بھونری کی پہچان کرائی۔ مول بھاؤ کیا اور اپنے دروازے پر لا کر باندھ دیا۔ دام کے لیے ایک مہینہ کا وعدہ ہوا۔ چودھری بھی غرض مند تھے، گھاٹے کی کچھ پروانہ کی۔

سمجھو نے نیا بیل پایا تو پاؤں پھیلائے۔ دن میں تین تین چار چار کھیوے کرتے۔ نہ چارے کی فکر تھی نہ پانی کی۔ بس کھیووں سے کام تھا۔ منڈی لے گئے۔ وہاں کچھ سوکھا بھس ڈال دیا اور غریب جانور ابھی دم بھی نہ لینے پایا تھا کہ پھر جوت دیا۔ الگو چودھری کے یہاں تھے تو چین کی بنسی بجتی تھی۔ راتب پاتے، صاف پانی، دُھلی ہوئی ارہر، بھوسے کے ساتھ کھلی، کبھی کبھی گھی کا مزہ بھی مل جاتا۔ شام سویرے ایک آدمی کھریرے کرتا۔ بدن کھجلاتا، جھاڑتا، پونچھتا، سہلاتا، کہاں وہ ناز و نعمت کہاں یہ آٹھوں پہر کی رپٹ۔ مہینہ

بھر میں بیچارے کا کچومر نکل گیا۔ یکّہ کا جواد دیکھتے ہی بے چارے کا ہیاؤ چھوٹ جاتا۔ ایک ایک قدم چلنا دوبھر تھا۔ ہڈیاں نکل آئی تھیں لیکن اصیل جانور۔ ایک دن چوتھے کھیوے میں سیٹھ جی نے دونا بوجھ لادا۔ دن بھر کا تھکا جانور، پیر مشکل سے اٹھتے تھے۔ بیل جگر توڑ کر چلا۔ کچھ دور دوڑا۔ چاہا کہ ذرا دم لے ادھر سیٹھ جی کو جلد گھر پہنچنے کی فکر۔ بیل نے ایک بار پھر زور لگایا مگر طاقت نے پھر جواب دے دیا، زمین پر گر پڑا اور ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا۔ سیٹھ کو کچھ اندیشہ ہوا، غور سے دیکھا، بیل کو کھول کر الگ کیا اور سوچنے لگے کہ گاڑی گھر کیوں کر پہنچے۔ بہت چیخے اور چلّائے مگر دیہات کا راستہ بچّوں کی آنکھ ہے، سرِ شام بند، کوئی نظر نہ آیا۔ قریب کوئی گاؤں بھی نہ تھا۔ مارے غصّہ کے بولا تجھے مرنا تھا تو گھر پر مرتا۔ تو نے آدھے راستہ میں دانت نکال دیے۔

اب گاڑی کون کھینچے گا؟اس طرح خوب جلے بھنے۔ کئی بورے گڑاور کئی کنستر گھی کے بیچے تھے، دو ڈھائی سو روپے کمر میں بندھے ہوئے تھے۔ گاڑی پر کئی بورے نمک کے تھے۔ چھوڑ کر جا بھی نہ سکتے تھے۔ گاڑی پر لیٹ گئے۔ وہیں رت جگا کرنے کی ٹھان لی اور آدھی رات تک دل کو بہلاتے رہے۔ آگ جلائی، تاپا۔ اپنی دانست میں تو وہ جاگتے ہی رہے۔ مگر جب پو پھٹی چونکے اور کمر پر ہاتھ رکھا تو تھیلی ندارد۔ کلیجہ سن سے ہو گیا، کمر ٹٹولی تھیلی کا پتہ نہ تھا گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کئی کنستر تیل کے بھی غائب تھے۔ سر پیٹ لیا، پچھاڑیں کھانے لگے۔ صبح کو بہ ہزار خرابی گھر پہنچے۔

سیٹھانی جی نے یہ المناک حادثہ سنا تو چھاتی پیٹ لی۔

اس واقعے کو کئی ماہ گزر گئے۔ الگو جب اپنے بیل کی قیمت مانگنے جاتے تو سیٹھ اور سیٹھانی دونوں جھلّائے ہوئے کتّوں کی طرح چڑھ بیٹھتے۔ یہاں تو سارے جنم کی کمائی مٹّی میں مل گئی، فقیر ہو گئے۔ انھیں دام کی پڑی ہے۔ مردہ منحوس بیل دیا تھا، اس پر دام مانگتے ہیں۔ آنکھ میں دھول جھونک دی۔ مرا ہوا بیل گلے باندھ دیا۔ نرا پونگا ہی سمجھ لیا ہے۔ کسی گدھے میں منھ دھو آؤ تب دام لینا۔ صبر نہ ہوتا ہو تو ہمارا بیل کھول لے جاؤ مہینے کے بدلے دو مہینے جوت لو اور کیا لوگے؟ اس فیاضانہ فیصلے کے قدر دان حضرات کی بھی کمی نہ تھی۔ اس طرح جھڑپ سن کر چودھری لوٹ آتے مگر ڈیڑھ سو روپے سے اس طرح ہاتھ دھو لینا آسان کام نہ تھا۔

ایک بار وہ بھی بگڑے، سیٹھ جی گرم ہو پڑے۔ سیٹھانی جی جذبہ کے مارے گھر سے نکل پڑیں۔ سوال و جواب ہونے لگے۔ خوب مباحثہ ہوا، مجادلہ کی نوبت آ پہنچی۔ سیٹھ جی نے گھر میں گھس کر کواڑ بند کر لیے۔ گاؤں کے کئی معزز آدمی جمع ہو گئے۔ دونوں فریقوں کو سمجھایا۔ سیٹھ جی کو دلاسا دے کر گھر سے نکالا اور صلاح دی کہ اس طرح آپس میں سر پھٹوّل سے کام نہ چلے گا۔ اس سے کیا فائدہ پنچایت کر لو جو کچھ طے ہو جائے اسے مان جاؤ۔ سیٹھ جی راضی ہو گئے۔ الگو نے بھی حامی بھری فیصلہ ہو گیا۔

پنچایت کی تیاریاں ہونے لگیں۔ دونوں فریقوں نے غول بندیاں شروع کیں۔ تیسرے دن اسی سایہ دار درخت کے نیچے پھر پنچایت بیٹھی۔

پنچایت پوری آ بیٹھی، تو رام دھن مصر بولے: ''اب کیوں دیر کی جائے۔ بولو چودھری، کن کن آدمیوں کو پنچ بدتے ہو؟''

الگو نے منکسرانہ انداز سے جواب دیا: ''سمجھو سیٹھ ہی چن لیں۔'' سیٹھ جی کھڑے ہو گئے اور کڑک کر بولے: ''میری طرف سے شیخ جمّن کا نام لکھ لو۔''

الگو نے پہلا نام جمّن کا سنا تو کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ گویا کسی نے اچانک تھپڑ مار دیا ہو۔ رام دھن مصر الگو کے دوست تھے۔ تہہ پر پہنچ گئے بولے: ''چودھری تم کو کوئی عذر تو نہیں ہے۔''

چودھری نے مایوسانہ انداز سے جواب دیا: ''نہیں مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔''

اس کے بعد چار نام اور تجویز کیے گئے۔ الگو پہلا چرکا کھا کر ہوشیار ہو گئے تھے خوب جانچ کر انتخاب کیا صرف سرپنچ کا انتخاب باقی تھا۔ الگو اس فکر میں تھے کہ اس مرحلہ کو کیوں کر طے کروں کہ یکایک سمجھو سیٹھ کے ایک عزیز گودڑ شاہ بولے: ''سمجھو بھائی! سرپنچ کسے بناتے ہو؟''

سمجھو کھڑے ہو گئے اور اکڑ کر بولے: ''شیخ جمّن کو۔''

رام دھن مصر نے چودھری کی طرف ہمدردانہ انداز سے دیکھ کر پوچھا: ''الگو! تمھیں کچھ عذر ہو تو کہو۔''

الگو نے قسمت ٹھونک لی، حسرت ناک لہجے میں بولے: ''نہیں مجھے عذر کوئی نہیں ہے۔''

اپنی ذمہ داریوں کا احساس اکثر ہماری تنگ ظرفیوں کا زبردست مصلح ہوتا ہے اور گمراہی کے عالم میں معتبر رہنما۔

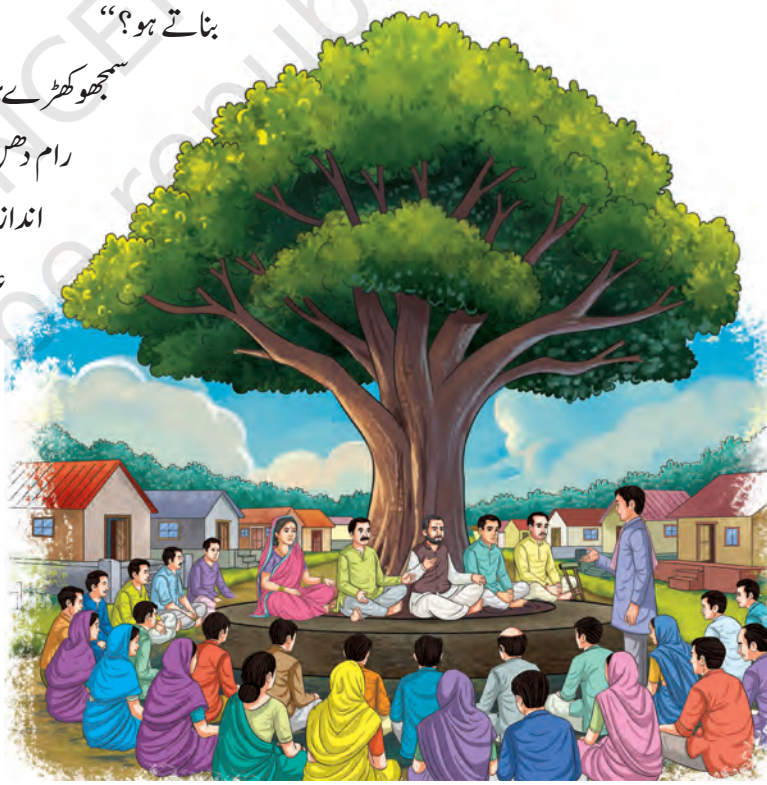

© NCERT not to be republished

ایک اخبار نویس اپنے گوشۂ عافیت میں بیٹھا ہوا مجلسِ وزرا کو کتنی بے باکی اور آزادی سے اپنے تازیانۂ قلم کا نشانہ بناتا ہے مگر ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب وہ خود مجلسِ وزرا میں شریک ہوتا ہے۔ اس دائرہ میں قدم رکھتے ہی اس کی تحریر میں ایک دل پذیر متانت کا رنگ پیدا ہوتا ہے، یہ ذمّے داری کا احساس ہے۔

ایک نوجوان عالمِ شباب میں کتنا بے فکر ہوتا ہے۔ والدین اسے مایوسانہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اسے ننگِ خاندان سمجھتے ہیں مگر تھوڑے ہی دنوں میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد وہی وارفتہ مزاج، ننگِ خاندان کتنا سلامت رو، کتنا محتاط ہو جاتا ہے۔ یہ ذمّے داری کا احساس ہے۔ یہ احساس ہماری نگاہوں کو اور وسیع کر دیتا ہے مگر زبان کو محدود۔ شیخ جمّن کو بھی اپنی عظیم الشّان ذمہ داری کا احساس ہوا۔ اس نے سوچا میں اس وقت انصاف کی مسند پر بیٹھا ہوں۔ میری آواز اس وقت حکمِ خدا ہے اور خدا کے حکم میں میری نیت کو مطلق دخل نہ ہونا چاہیے۔ حق اور راستی سے جو بھر ٹلنا بھی مجھے دنیا اور دین دونوں ہی میں روسیاہ بنا دے گا۔

پنچایت شروع ہوئی۔ فریقین نے اپنے حالات بیان کیے۔ جرح ہوئی۔ شہادتیں گزریں۔ فریقین کے مددگاروں نے بہت کھینچ تان کی۔ جمّن نے بہت غور سے سنا اور تب فیصلہ سنایا:

"الگو چودھری اور سمجھو سیٹھ پنچوں نے تمھارے معاملہ پر غور کیا۔ سمجھو کو بیل کی پوری قیمت دینا واجب ہے۔ جس وقت بیل ان کے گھر آیا۔ اس کو کوئی بیماری نہ تھی۔ اگر قیمت اسی وقت دے دی گئی ہوتی تو آج سمجھو اسے واپس لینے کا ہرگز تقاضا نہ کرتے۔" رام دھن مصر نے کہا: "قیمت کے علاوہ ان سے کچھ تاوان بھی لیا جائے۔ سمجھو نے بیل کو دوڑا دوڑا کر مار ڈالا۔"

جمّن نے کہا: "اس کا اصل معاملہ سے کوئی تعلق نہیں۔"

گودڑ شاہ نے کہا: "سمجھو کے ساتھ کچھ رعایت ہونی چاہیے۔ ان کا بہت نقصان ہوا ہے اور اپنے کیے کی سزا مل چکی ہے۔"

جمّن بولے: "اس کا بھی اصل معاملہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ الگو چودھری کی بھل منسی پر منحصر ہے۔" یہ فیصلہ سنتے ہی الگو چودھری پھولے نہ سمائے اور زور سے ہانک لگائی:

"پنچ پرمیشور کی جے..."

آسمان پر تارے نکل آئے تھے۔ اس نعرہ کے ساتھ ان کی صدائے تحسین بھی سنائی دی۔ بہت مدھم گویا سمندر پار سے آئی ہو۔

© NCERT not to be republished

ہر شخص جمّن کے انصاف کی داد دے رہا تھا۔ ”انصاف اس کو کہتے ہیں۔ آدمی کا یہ کام نہیں۔ پنچ میں پرماتما بستے ہیں۔ یہ ان کی مایا ہے۔ پنچ کے سامنے کھوٹے کو کھرا بنانا مشکل ہے۔“ گھنٹہ بھر کے بعد جمّن شیخ الگو کے پاس آئے اور ان کے گلے سے لپٹ کر بولے۔

”بھیّا! جب سے تم نے میری پنچایت کی ہے میں دل سے تمھارا جانی دشمن تھا مگر آج مجھے معلوم ہوا کہ پنچایت کی مسند پر بیٹھ کر نہ کوئی کسی کا دوست ہوتا ہے نہ دشمن۔ انصاف کے سوا اور اسے کچھ نہیں سوجھتا۔ یہ بھی خدا کی شان ہے۔ آج مجھے یقین آ گیا کہ پنچ کا حکم اللہ کا حکم ہے۔“

الگو رونے لگے۔ دل صاف ہو گئے۔ دوستی کا مرجھایا ہوا درخت پھر سے ہرا ہو گیا۔ اب وہ بالو کی زمین پر نہیں حق اور انصاف کی زمین پر کھڑے تھے۔

— منشی پریم چند

لفظ و معنی

ہم مشرب	:	ایک عقیدہ کے لوگ
ہم نوالہ و ہم پیالہ	:	ایک ساتھ کھانے پینے والے
ہم خیال	:	ایک جیسی سوچ یا فکر رکھنے والے
زانوئے ادب تہہ کرنا	:	شاگردی اختیار کرنا، حلقۂ درس میں بیٹھنا
وعدے وعید	:	ٹال مٹول کرنا
ہبہ نامہ	:	وہ کاغذ یا دستاویز جس میں کسی چیز کو بخشنے کا اقرار لکھا جائے
عاقبت کے بوریے بٹورنا (کہاوت)	:	لمبی مدت تک جینا
اُوسر	:	بنجر زمین جس میں کچھ پیدا نہ ہوتا ہو
شرمندۂ مَنت	:	احسان مند، ممنون
رسوخ	:	رسائی
منطق	:	عقلی دلیل
دانست	:	سمجھ، فہم
خمیدہ	:	ٹیڑھا، جھکا ہوا
ثقلِ سماعت	:	سننے میں زحمت، بہرا پن
رضاجوئی	:	مرضی، اجازت
تاحینِ حیات	:	زندگی بھر، جیتے جی
سپر	:	ڈھال، پناہ
رزم گاہ	:	میدانِ جنگ
کھیوہ	:	چکر، پھیرا
تنگ ظرفی	:	اوچھی حرکت، کم ظرفی
وارفتہ	:	آپے سے باہر ہونا، بے قابو ہونا

© NCERT not to be republished

غور کیجیے

- منشی پریم چند نے بیشتر افسانوں میں دیہی معاشرت اور پسماندہ طبقاتی زندگی کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ 'پنچایت' میں بھی گاؤں کی زندگی، وہاں کے لوگ اور ان کے اخلاقی اور سماجی شعور کو بڑی سادگی سے پیش کیا گیا ہے۔ افسانے کا اسلوب بیانیہ ہونے کے ساتھ ساتھ مکالماتی بھی ہے۔
- کہانی کا تانا بانا جمّن شیخ اور الگو چودھری کی دوستی کے ارد گرد بُنا گیا ہے۔ دونوں گہرے دوست ہیں لیکن ایک دوسرے کے معاملے میں سرپنچ کی حیثیت سے فیصلہ سناتے وقت دوستی کی جگہ انصاف کو اوّلیت دیتے ہیں۔
- سبق میں لفظ 'اُوسر' استعمال ہوا ہے۔ اُوسر اُس زمین کو کہتے ہیں جو اپنی زرخیزی کھو دیتی ہے۔ اس میں فصلیں اچھی طرح نہیں اُگتیں۔ قابل کاشت بنانے کے لیے اُوسر زمین میں چونا اور نامیاتی کھاد اور گوبر وغیرہ ڈالا جاتا ہے۔ اس سے زمین قابلِ کاشت ہو جاتی ہے۔
- 'حینِ حیات' کے معنی ہیں 'زندگی بھر' یا 'زندگی رہنے تک'۔ افسانے میں 'حینِ حیات' کی جگہ 'تاحینِ حیات' استعمال ہوا ہے جس کے معنی بھی 'زندگی بھر' کے ہیں۔

سوچیے اور بتائیے

i. جمن کو پنچایت کے فیصلے سے متعلق کوئی اندیشہ کیوں نہیں تھا؟

ii. اگر اُس دن خالہ کے ساتھ انصاف نہ ہوتا تو کیا صورتِ حال ہوتی؟

iii. خالہ نے کیوں کہا: 'تھانہ کچہری کر نہیں سکتی۔'

iv. الگو اور جمّن کی دوستی کی بنیادیں کس وجہ سے ہل گئیں؟

v. الگو کو کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کے حق میں فیصلہ نہیں ہوگا؟

© NCERT not to be republished

عبارت کی تفہیم

- نیچے دی گئی سطروں کو سبق میں تلاش کیجیے اور ان کا مفہوم اپنی زبان میں لکھیے:

i. رجسٹری کی مہر پڑتے ہی ان خاطر داریوں پر مہر ہو گئی۔

ii. مجھے بھی رات دن کا وبال پسند نہیں۔

iii. کہاں وہ ناز و نعمت، کہاں یہ آٹھوں پہر کی رپٹ۔

iv. جرح ہوئی، شہادتیں گزریں، فریقین کے مددگاروں نے بہت کھینچ تان کی۔

v. دوستی کا مرجھایا ہوا درخت پھر سے ہرا ہو گیا۔ اب وہ بالو کی زمین پر نہیں، حق اور انصاف کی زمین پر کھڑے تھے۔

پڑھیے، سمجھیے اور لکھیے

- نیچے دیے گئے جملے پر غور کیجیے:

خالہ نے تاک کر نشانہ مارا: ''بیٹا کیا بگاڑ کے ڈر سے ایمان کی بات نہ کہو گے؟''

اس جملے میں طنز کا پہلو شامل ہے۔ ایسا جملہ جو وضاحت یا طنز کے لیے لکھا یا بولا جاتا ہے، اسے 'طنزیہ جملہ' کہتے ہیں۔ اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ گفتگو کیجیے اور پانچ جملے معلوم کر کے لکھیے جن میں طنز کا پہلو شامل ہو:

i. _____

ii. _____

iii. _____

iv. _____

v. _____

© NCERT not to be republished

- آپ پڑھ چکے ہیں کہ جملے کے دو حصے ہوتے ہیں ایک 'مبتدا' اور دوسرا 'خبر'۔ مثال کے طور پر "تناور درخت حق کا ایک جھونکا بھی نہ سہہ سکا۔"

اس جملے میں درخت مبتدا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے 'تناور' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جو لفظ درخت کی توسیع ہے۔ جب مبتدا کی مزید وضاحت کے لیے کوئی لفظ آئے تو اس کو 'توسیعِ مبتدا' کہتے ہیں۔

سبق سے ایسے جملے تلاش کر کے لکھیے جن میں توسیعِ مبتدا کے الفاظ شامل ہوں:

i. _____

ii. _____

iii. _____

iv. _____

v. _____

- دیے گئے جملوں پر غور کیجیے:

"سبز باغ دکھا کر خالہ امّاں سے وہ ملکیت اپنے نام کرا لی تھی۔"

"اتنی ہی دیر میں ایسی کایا پلٹ ہو گئی کہ میری جڑ کھودنے پر آمادہ ہے۔"

سبز باغ دکھانا، کایا پلٹ ہو جانا اور جڑ کھودنا محاورے ہیں۔ ایسے ہی کچھ اور محاورے اس افسانے میں استعمال ہوئے ہیں۔ ان محاوروں کو تلاش کیجیے، ان کے مفہوم لکھیے اور جملوں میں استعمال کیجیے:

i. _____

ii. _____

iii. _____

iv. _____

v. _____

© NCERT not to be republished

- مندرجہ ذیل اقتباس کو پڑھیے اور دیے گئے سوالوں کے جواب لکھیے:

"پنچو! آج تین سال ہوئے میں نے اپنی سب جائیداد اپنے بھانجے جمّن کے نام لکھوا دی تھی اسے آپ لوگ جانتے ہی ہوں گے۔ جُمّن نے مجھے تاحین حیات روٹی، کپڑا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ سال چھ مہینے تو میں نے اس کے ساتھ کسی طرح رو دھو کر کاٹے مگر اب مجھ سے رات دن کا رونا نہیں سہا جاتا، مجھے پیٹ کی روٹیاں تک نہیں ملتیں۔ بے کس بیوہ ہوں۔ تھانہ کچہری کر نہیں سکتی سوائے تم لوگوں کے اور کس سے اپنا دکھ درد روؤں۔ تم لوگ جو راہ نکال دو اس راہ پر چلوں، اگر میری بُرائی دیکھو میرے منھ پر تھپڑ مارو، جمّن کی برائی دیکھو تو اُسے سمجھاؤ۔ کیوں ایک بے کس کی آہ لیتا ہے۔"

i. "تاحینِ حیات روٹی کپڑا دینے کا وعدہ" سے کیا مراد ہے؟

ii. "کیوں ایک بے کس کی آہ لیتا ہے۔" خالہ نے یہ کیوں کہا؟

iii. "اگر میری برائی دیکھو میرے منھ پر تھپڑ مارو، جمّن کی برائی دیکھو تو اُسے سمجھاؤ" کا مفہوم اپنی زبان میں لکھیے۔

iv. اس عبارت کا عنوان تجویز کیجیے۔ یہ بھی بتائیے کہ آپ نے یہی عنوان کیوں منتخب کیا؟

تجزیہ کیجیے

- آپ جانتے ہیں دو یا دو سے زائد افراد کے درمیان ہونے والی گفتگو کو 'مکالمہ' کہتے ہیں۔ مکالمہ لکھتے وقت مناسب رموزِ اوقاف کی مدد لی جاتی ہے تاکہ گفتگو اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ نیچے دیے گئے مکالموں کو پڑھیے اور انھیں ادا کرنے والے کرداروں کی خوبیوں کا تجزیہ کیجیے:

© NCERT not to be republished

خالہ نے ہانپ کر کہا: ”اپنی فریاد تو سب کے کانوں میں ڈال آئی ہوں، آنے نہ آنے کا حال اللہ جانے؟“

الگو نے جواب دیا: ”یوں آنے کو میں آجاؤں گا مگر پنچایت میں منھ نہ کھولوں گا۔“

خالہ نے حیرت سے پوچھا: ”کیوں بیٹا؟“

الگو نے پیچھا چھڑانے کے لیے کہا: ”اب اس کا کیا جواب۔ اپنی اپنی طبیعت۔ جمن میرے دوست ہیں۔ اس سے بگاڑ نہیں کرسکتا۔“

خالہ نے تاک کر نشانہ مارا: ”بیٹا کیا بگاڑ کے ڈر سے ایمان کی بات نہ کہو گے؟“

گفتگو کیجیے

- نیچے لکھی عبارت کو غور سے پڑھیے:

”مہینہ بھر میں بے چارے بیل کا کچومر نکل گیا۔ یکّہ کا جُواد یکھتے ہی بے چارے کا ہیاؤ چھوٹ جاتا۔ ایک ایک قدم چلنا دوبھر تھا۔ ہڈیاں نکل آئی تھیں لیکن اصیل جانور۔ ایک دن چوتھے کھیوے میں سیٹھ جی نے دونا بوجھ لادا۔“

سیٹھ نے بیل کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کیا ہوگا اور کیا یہ سلوک درست تھا؟ اپنے ہم جماعت ساتھیوں کے گروپ میں اس موضوع پر گفتگو کیجیے۔

تخلیقی اظہار

- افسانے میں واقعے کے بیان کی حیثیت بے حد اہم ہے۔ کوئی ایسا واقعہ بیان کیجیے جس نے آپ کو بہت زیادہ متاثر کیا ہو۔ اپنے اس بیانیہ میں پلاٹ، کردار نگاری، منظر نگاری اور وحدتِ عمل پر خاص توجہ دیجیے۔
- مان لیجیے آپ اسکول کی چھٹیوں میں گاؤں گئے ہیں، وہاں آپ اپنے خاندان کے لوگوں سے بجلی نہ

© NCERT not to be republished

آنے سے ہو رہی پریشانی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ آپ کے اور ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کو مکالموں کی شکل میں لکھیے:

- کہانی میں ساجھے کی کھیتی کا ذکر آیا ہے۔ ساجھے سے مراد ہے کسی کام میں حصہ داری یا شراکت۔ آپ نے بھی کبھی ساجھے میں کوئی کام کیا ہوگا، اپنے اس کام کی تفصیل لکھیے اور اپنے کمرۂ جماعت میں سنائیے۔
- اپنے اسکول میں بچوں کی پارلیمنٹ (Children Parliament) کے کاموں کا مشاہدہ کیجیے۔ اپنے مشاہدات کو جملوں میں لکھیے۔

پروجیکٹ

- طلبا کے کئی گروپ بنائیے اور سبق میں شامل افسانے کے الگ الگ پہلوؤں پر گفتگو کیجیے۔ ایک گروپ اس افسانے کے پلاٹ، دوسرا کردار نگاری، تیسرا منظر نگاری، جزئیات نگاری اور چوتھا وحدتِ تاثر یا وحدتِ عمل کے حوالے سے گفتگو کرے۔ ہر گروپ اپنے خیالات کمرۂ جماعت میں پیش کرے۔
- اپنے ہم جماعتوں کی مدد سے ایک اشتہار بنائیے جس میں پنچایت کا نام، اس کی تصویر، موجودہ سال کا بجٹ اور خرچ وغیرہ کی تفصیلات بیان کیجیے۔

© NCERT not to be republished

عملی کام

- اپنے استاد اور ساتھیوں کی مدد سے 'پنچایت' سبق کو ڈرامے کی شکل میں پیش کیجیے۔
- لائبریری سے پریم چند کے افسانوں کے مجموعوں کو حاصل کیجیے اور ان کا مطالعہ کیجیے۔

اضافی مطالعہ

- آئین کی دفعہ 40 میں پنچایت کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ ریاست گاؤں کی سطح پر پنچایتوں کو منظم کرنے کے اقدامات کرے گی اور انھیں خود مختار حکومت کے اداروں کے طور پر کام کرنے کے قابل بنائے گی۔ پنچایتی نظام جسے پنچایتی راج بھی کہتے ہیں، ذاتی حکومت کی ایک شکل ہے۔
- پنچایتیں، زمینی سطح پر مقامی مسائل حل کرنے، ترقی کو فروغ دینے کے علاوہ یہ بھی یقینی بناتی ہیں کہ سرکاری منصوبوں اور اسکیموں کے فائدے زمینی سطح پر لوگوں کو پہنچ سکیں۔ شہری علاقوں میں یہ ذمہ داری نگر پالیکا اور میونسپل کارپوریشن کی ہوتی ہے۔ پنچایت اور نگر پالیکا میں کم از کم ایک تہائی (33 فیصد) نشستیں خواتین کے لیے محفوظ ہوتی ہیں۔
- حکومتِ ہند نے پنچایتی راج کی فلاح و بہبود اور بہتر معلومات کے لیے 'میری پنچایت' نام سے ایک 'ایپ' جاری کیا ہے جس کے ذریعے آپ ہندوستان میں موجود پنچایتوں کی تفصیلات حاصل کر سکتے ہیں۔ ذیل میں دیے گئے ویب لنک یا کیو آر کوڈ کی مدد آپ اپنی یا اپنے آس پاس کی پنچایت کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں:

www.meripanchayat.gov.in

Scan QR Code Android

Scan QR Code IOS

© NCERT not to be republished